

بیع و شراء پر اکراہ کے اثرات

*سید یحیٰ آغا

Abstract

It is obligatory upon every Muslim to learn the rules of business transactions to the extent of his need. It is obligatory upon the scholars ('Ulamaa') to teach these rules to the people. It is recommended that the seller make no distinction between buyers in the price of a commodity nor be difficult nor swear (an oath). When the buyer regrets (the purchase) and seeks to cancel the transaction, (the seller should) accept the cancellation. Few necessary conditions must be fulfilled for a business transaction to be considered valid and binding in Islam. Both the buyer and the seller must willingly agree to all details of the transaction, due to the statement of the Prophet (PBUH): "Verily business transactions are only (valid) by way of mutual agreement." Thus, someone being forced to buy or sell property invalidates the transaction; however there is an exception to this. Shaykh Saalih al-Fawzaan states, "And if someone was justly forced into a sale, then it is legitimate. An example of this is when a judge forces someone to sell his property to pay his debt". However In this paper discussed about the Islamic point "*Ikra'h*" and its effects on buying and selling.

Keywords: Islam, Islamic law– Shariah, "*Ikra'h*", Buying, Selling.

تعارف:

عقائد و عبادات کی طرح معاملات بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے، جس طرح عقائد اور عبادات کے بارے میں جزئیات و احکام بیان کیے گئے ہیں، اسی طرح شریعت اسلامی نے معاملات کی تفصیلات بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، حلال و حرام، مکروہ اور غیر مکروہ، جائز اور طیب مال کے مکمل احکام قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور شریعت کی دیگر جزئیات کی طرح اس میں بھی مکمل راہ نمائی کی گئی ہے، جو لوگ نماز اور روزہ کا اہتمام کرتے ہیں، مگر صفائی معاملات اور جائز و ناجائز کی فکر نہیں کرتے، وہ کبھی اللہ کے مقرب نہیں ہو سکتے، اس لیے ان کا عمل شریعت پر ناقص ہے، افسوس ہے کہ عرصہ دراز سے مسلمانوں کے درمیان معاملات سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی اہمیت دلوں سے مٹ گئی ہے اور دین صرف عقائد و عبادات کا نام سمجھا جانے لگا ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، سریاب روڈ، کوئٹہ۔

حلال و حرام کی فکر رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ہے اور دن بہ دن اس سے غفلت بڑھتی جا رہی ہے، جس کے سبب مسلمان اقتصادیات میں پیچھے ہیں اور خاطر خواہ معاشیات میں انہیں ترقی نہیں مل رہی ہے۔ اس لیے اہل علم اور فقہائے کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں کام یاب اور نفع بخش تجارت کے لیے اصول بیان کیے ہیں، جن کی روشنی میں تجارت کی جائے تو دنیا میں بھی نفع ہو گا اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ تجارت بے انتہا اجر و ثواب کا باعث ہو گی اور یہ تجارت دین کی سرگرمیوں میں شامل ہو جائے گی۔ شریعت اسلامی وہ نظام قانون ہے جو دنیا و آخرت کے تمام احکام کو شامل و حاوی اور عالمی شان کا حامل ہے اور تمام مسائل زندگی کے احاطہ کی صلاحیت اس کا امتیازی وصف ہے۔ فقہاء اسلام نے اپنی بالغ فطری اور بلند نگاہی سے انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا ہے کہ بجا طور پر آج کی اس نئی دنیا میں بھی ایسے کم ہی مسائل ملیں گے جس کے لئے فقہ کے اس قدیم ذخیرہ میں کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ جبر و اکراہ ایک ایسا عام اور پھیلا ہوا موضوع ہے جس سے فقہ کا کوئی باب خالی نہیں جبکہ موجودہ زمانہ نے اس کو اور بھی طول دیا ہے، عقائد ہوں یا عبادات و معاملات، حدود و قصاص ہوں یا تبرعات، غرض کوئی باب اکراہ کے مسائل سے خالی نہیں، اس لیے ذیل میں بیع و شراء سے متعلق اکراہ کے مسائل ذکر کیے جائیں گے۔

اکراہ کی لغوی تعریف:

اکراہ باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں کہ کسی چیز پر مجبور کرنا یا جبراً آمادہ کرنا، کہا جاتا ہے "اکرہہ علی کذا" اسے اس نے فلاں کام پر مجبور کیا یا جبراً آمادہ کیا، ثلاثی مجرد سے باب سمع سے استعمال ہوتا ہے اور ناپسندیدہ ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ کُزَّہ (ضمہ کے ساتھ) اور کُزَّہ (فتحہ کے ساتھ) دونوں قرآن کریم میں مذکور ہیں، سورۃ البقرۃ میں ہے "کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُزَّہ لَّكُمْ"¹ اور سورۃ النساء میں ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كُزَّہًا"² (بالضم) اور کُزَّہ (بالفتح) میں عربیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، نیز سب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ سورۃ البقرۃ کے علاوہ جہاں کہی بھی قرآن کریم میں کُزَّہ یا کُزَّہ ہے وہ مصدر ہے جبکہ سورۃ البقرۃ میں "وَهُوَ كُزَّہ لَّكُمْ" اسم مصدر ہے، اسی طرح سارے ائمہ لغت اس

¹ البقرہ: ۲۱۶

² النساء: ۱۹

نتیجہ و شرع پر اکراہ کے اثرات

بات پر متفق ہیں کہ کُہْرُہ (بالضم) اور کُہْرُہ (بالفتح) دونوں لغت ایک ہی معنی میں ہیں فتح اور ضمہ دونوں پڑھنا جائز ہیں سوائے امام فراء رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ کُہْرُہ (ضمہ کے ساتھ) مشقت اور تکلیف کے معنی میں جبکہ کُہْرُہ (فتح کے ساتھ) اکراہ یعنی مجبور کرنے کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: اقامہ علی کُہْرُہ: وہ بڑی مشقت کے ساتھ کھڑا ہوا، اور اقامہ علی کُہْرُہ: فلاں آدمی نے اسے مجبور کر کے اٹھایا۔

اکراہ کی اصطلاحی تعریف:

فقہی اصطلاح میں ناحق کسی شخص کو اس کی رضامندی کے بغیر کسی کام کے کرنے پر ڈرا کر مجبور کرنا اور اس کی وجہ سے مکروہ کی اہلیت ختم ہوئے بغیر اس کا اختیار بیکار ہو جانا اکراہ ہے۔ مختلف فقہاء کرام نے اسی مفہوم کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہیں۔

شمس الانمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

الإكراه: اسم لفعل يفعل المرء بغيره فينتفي به رضاه أو يفسد به اختياره من غير أن تنعدم به الأهلية في حق المكروه أو يسقط عنه الخطاب³

”اکراہ ایک ایسے فعل کا نام ہے جسے انسان دوسرے کی وجہ سے کرتا ہے جس کی وجہ سے مکروہ کی رضامندی جاتی رہتی ہے یا اکراہ کی وجہ سے مکروہ کی اہلیت ختم ہوئے اور اس سے خطاب ساقط ہوئے بغیر اس کا اختیار بے کار ہو جاتا ہے۔“

علامہ علاء الدین البخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حمل الغير على أمر يمتنع عنه بتخويف يقدر الحامل على إيقاعه ويصير الغير خائفاً به فائت الرضا بالمباشرة⁴

”یعنی کسی شخص کو ایسے کام پر مجبور کرنا جو اس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو، ایسے چیز سے ڈرا کر جو مجبور کرنے والا اس کام پر قادر ہو اور دوسرا شخص اس سے ڈرتا ہو اور اس کام کے کرنے پر راضی نہ ہو۔“

³ السرخسی، شمس الانمۃ محمد بن أحمد بن أبي سهل، المبسوط، (بیروت: دار المعرفۃ)، ۲۴: ۳۸

⁴ البخاری، عبد العزیز بن أحمد بن محمد، علاء الدین، کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی، (بیروت: دار الکتب العلمیہ،

بیروت)، ۴: ۵۳۸

علامہ ابن الہمام رحمہ لکھتے ہیں:

الإكراه اسم لفعل يفعلہ المرء بغيره فينتفي به رضاہ أو يفسد به اختياره مع بقاء أهليته⁵
 ”اكرہ ایک ایسے فعل کا نام ہے جسے انسان دوسرے کی وجہ سے کرتا ہے جس کی وجہ سے مکرہ کی رضامندی جاتی رہتی ہے یا اس کی اہلیت کے رہتے ہوئے اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔“
 شیخ علی حیدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الإكراه هو إجبار أحد على أن يعمل عملاً بغير حق من دون رضاہ⁶
 ”ناحق کسی شخص کو اس کی رضامندی کے بغیر کسی کام کے کرنے پر ڈرا کر مجبور کرنا۔“
 مذکورہ بالا تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ ناحب کسی شخص کو اس کی رضامندی کے بغیر کسی کام کے کرنے پر ڈرا دھمکا کر مجبور کرنا اور اس کی اہلیت ختم ہوئے بغیر اس کے اختیار کا فاسد ہونا اکرہ ہے تاہم مذکورہ بالا تعریفات میں سب سے زیادہ جامع مانع تعریف علامہ سرخسی کی ذکر کردہ تعریف ہے۔
 بیع میں اکرہ کے مسائل اور اس کی تفصیل کا سمجھنا چونکہ بیع کی حقیقت اور بیع میں تراضی کی شرط کے سمجھنے پر موقوف ہے، اس لیے اکرہ کے مسائل کو بیان کرنے سے پہلے بیع کی حقیقت اور بیع میں تراضی کی حقیقت کا ذکر کیا جائے گا۔

بیع کی لغوی تعریف:

لغت میں کسی ایک چیز کی دوسرے چیز سے تبادلہ کو ”بیع“ کہا جاتا ہے، چاہے مال کا تبادلہ مال سے ہو یا غیر مال سے، علامہ عبد اللہ بن محمود الموصلی الحنفی نے بیع کی لغوی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
 البيع في اللغة مطلق المبادلة وكذلك الشراء سواء كانت في مال او غيره⁷
 ”بیع لغت میں مطلق مبادلہ کو کہا جاتا ہے اسی طرح شراء بھی، خواہ یہ مبادلہ مال میں ہو یا مال کے علاوہ میں ہو۔“

⁵ ابن الہمام، محمد عبد الواحد بن عبد الحمید کمال الدین، فتح القدیر، (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ)، ۹: ۲۳۸

⁶ آفندی، علی حیدر خواجہ آمین، درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام، (بیروت: دار الحیئل)، ۲: ۶۵۸

⁷ الموصلی، علامہ عبد اللہ بن محمود الحنفی، الاختیار لتعلیل الخیار، کتاب البیوع، (بیروت: دار الفکر)، ۲: ۳

بیع و شراء پر اکراہ کے اثرات

در مختار میں ہے:

هو لغة مقابلة شئ بشئ مالا⁸

”بیع لغت میں کسی چیز کا دوسرے چیز سے تبادلہ کو کہتے ہیں خواہ مال ہو یا مال نہ ہو۔“

معلوم ہوا کہ بیع کی لغوی حقیقت میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء مطلق تبادلہ کو لغت بیع کہتے ہیں چاہے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ ہو یا غیر مال کے ساتھ، اور بعض علماء تبادلہ کو مال کے ساتھ خاص کرتے ہیں یعنی بیع اور شمن دونوں مال ہوں تو اسے لغوی اعتبار سے بیع کہا جائے گا، اگر غیر مال کا تبادلہ کیا جائے تو لغوی اعتبار سے اسے بیع نہیں کہا جائے گا۔

بیع کی شرعی حقیقت:

فقہ حنفی کی عام کتابوں مثلاً کنز، ہدایہ، در الملتقی اور مجمع الاخر میں بیع کی اصطلاحی تعریف "مبادلة المال بالمال" سے کی گئی ہے، البتہ علامہ علاء الدین حصکفی⁹ اور علامہ کاسانی¹⁰ اور دیگر فقہاء احناف نے بیع کی تعریف "مبادلة شئ مرغوب فیہ بمثلہ" سے کی ہے۔ علامہ سید احمد الطحاوی¹¹ الحنفی اس تعریف پر نقض کرتے ہوئے صاحب کنز کی تعریف "مبادلة المال بالمال" کو اولیٰ قرار دیتے ہیں، اور نقض کچھ یوں کیا ہے کہ شراب مرغوب فیہ ہے لیکن اس کی بیع مسلم کے لیے ناجائز ہے حالانکہ مذکورہ تعریف کی رو سے شراب کی بیع جائز ہونی چاہئے، چنانچہ علامہ طحاوی¹² لکھتے ہیں:

ویرد علی هذا التعريف بيع الخمر من متعاطيه من مسلم وقد صرح في المحيط انه ليس

بمال وانه لا ینعقد علیه العقد⁹

اور صاحب کنز کی تعریف کو رائج قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

فالاولی ما ذکره حافظ الدین فی الكنز من قوله: هو مبادلة المال بالمال بالتراضی¹⁰

⁸ الحنفی، محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحنفی، الدر المختار، کتاب البیوع، (بیروت: دار الکتب العلمیہ) ۴: ۵۰۱

⁹ الطحاوی، العلامة سید احمد، حاشیہ الطحاوی علی الدر، کتاب البیوع، (کویت: المکتبۃ الرشیدیہ)، ۳: ۳

¹⁰ ایضاً

اسی وجہ سے علامہ شامیؒ نے درمختار کی مذکورہ عبارت کے تحت یہ صراحت کر دی ہے کہ اس سے بھی مال ہی مراد ہے اور اس سے بھی وہی تعریف مراد ہے جو صاحب کنز اور صاحب ملتقی نے کی ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

(قوله: مرغوب فيه) أي ما من شأنه أن ترغب إليه النفس وهو المال ولذا احتراز به الشارح عن التراب والميتة والدم فإنها ليست بمال فرجع إلى قول الكنز والملتقى مبادلة المال بالمال.¹¹

”یعنی مرغوب فیہ سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور وہ مال ہے، اسی وجہ سے شارح نے مٹی، مردار اور خون سے احتراز کیا ہے، اس لیے کہ یہ مال نہیں ہے، لہذا کنز اور ملتقی کی تعریف ”مبادلة المال بالمال“ کو اولیٰ قرار دیا اور اسے پسند کیا۔“

بیع میں تراخی کی قید کی حقیقت:

بعض فقہاء کرام کے نے ”مبادلة المال بالمال“ کو شرعاً بیع قرار دیا ہے، صاحب درالمنقی اور صاحب مجمع الاخر کی بھی رائے ہے کہ بیع کی تعریف میں تراخی کی قید ضروری نہیں، چنانچہ صاحب درالمنقی نے لکھا ہے:

وشرعاً مبادلة مال ای تمليك المال كما في الدراية بمال¹²

”مال کے ذریعہ مال کی تمليك کو شرعاً بیع کہا جاتا ہے۔“

اسی طرح مجمع الاخر میں ہے:

البيع في الشرع مبادلة مال بمال لم يقل بالتراضي ليتناول بيع المكره فإنه منعقد وإن لم يلزم.¹³

”مال کا مال سے تبادلہ کو شرعاً بیع کہتے ہیں، تراخی کی قید کا نہ ہونا اس لیے ہے تاکہ یہ تعریف مکروہ کی بیع کو بھی شامل ہو، مکروہ کی بیع منعقد ہو جاتی ہے اگرچہ لازم نہیں ہوتی۔“

مگر فتح القدیر، کفایہ، عنایہ اور کنز میں بیع کی تعریف میں ”مبادلة المال بالمال“ کے ساتھ

”التراضي“ کی قید بھی لگائی ہے، چنانچہ صاحب عنایہ نے بیع کی تعریف اس طرح کی ہے:

¹¹ ابن عابدین، محمد آمین بن عمر بن عبدالعزیز الدمشقی الحنفی، رد المختار علی الدر المختار، کتاب البیوع، (بیروت: دار الفکر)، ۴: ۵۰۲

¹² الحسکفی، محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحنفی، درالمنقی علی ہامش مجمع الاخر، کتاب البیوع، (کوئٹہ: مکتبۃ المنار)، ۲: ۳

¹³ عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان الکلبوبی المدعو بشیخی زادہ، مجمع الاخر فی شرح ملتقی الأبحر، (بیروت: دار الکتب العلمیة)، ۳: ۴

بیع و شراء پر اکراہ کے اثرات

والبيع في اللغة تمليك المال بالمال وزيد عليه في الشرع ففيل هو مبادلة المال بالمال بالتراضي بطريق الاكتساب.¹⁴

”بیع لغت میں تملیک المال بالمال کا نام ہے اور شریعت میں اس پر اضافہ کر کے کہا گیا ہے کہ رضامندی کے ساتھ اکتساب کے طور مال کا تبادلہ مال کے ذریعہ بیع ہے۔“

صاحب کفایہ نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

البيع مبادلة المال بالمال بالتراضي¹⁵

محقق ابن الہمام لکھتے ہیں:

والذي يظهر أن التراضي لا بد منه لغة أيضا فإنه لا يفهم من باعه وباع زيد عبده إلا أنه استبدل به بالتراضي ، وأن الأخذ غصبا وإعطاء شيء آخر من غير تراض لا يقول فيه أهل اللغة باعه.¹⁶

ترجمہ: لغت کے اعتبار سے بھی بیع کی تعریف میں تراضی کی قید ملحوظ ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ زید نے اپنا غلام فروخت کیا تو لغت اور عرف کے اعتبار سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنی رضامندی سے غلام کا شمن سے تبادلہ کیا ہے، غصب کے ذریعہ کسی کے مال کو لینے اور کسی شخص کو اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز دینے کو اہل لغت "بیع" سے تعبیر نہیں کرتے۔

علامہ الزیلعیؒ بھی تراضی کی قید کو ضروری سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بیع کا تراضی کی قید کے ساتھ مقید ہونا خود قرآن کریم سے ثابت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بِتِجَارَةٍ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ¹⁷

¹⁴ المعنى، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتاني الحنفي، البناية، كتاب البيوع، (بيروت: دار الكتب العلمية)، ٢٠١٨: ٨

¹⁵ محمود بن عبد الله ابن تاج الشريعة، الكفاية، على هامش فتح القدير، كتاب البيوع، (كويت: المكتبة الرشيدية)، ٢٠١٦: ٢٩

¹⁶ ابن الہمام، هو محمد عبد الواحد بن عبد الحميد كمال الدين، فتح القدير، كتاب البيوع، ١٢: ١٤٢

¹⁷ النساء: ٢٩

”اے ایمان والوں! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو۔“

چنانچہ علامہ زلیعی صاحب کنز کی عبارت "مبادلة المال بالمال بالتراضي" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:
وهذا في الشرع وفي اللغة هو مطلق المبادلة من غير تقييد بالتراضي وكونه مقيدا به ثبت شرعا لقوله تعالى "الا ان تكون تجارة عن تراض".¹⁸

مذکورہ بالا تشریح سے واضح ہوا کہ بیع میں تراضی کی قید ضروری ہے، جس سے مکرمہ کی بیع خارج ہو جاتی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکرمہ کی بیع باطل نہیں ہوتی بلکہ فاسد ہوتی ہے اور بیع پر قبضہ کر لینے کے بعد مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اسی لیے علامہ شامی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

فلا يناسب ذكر التراضي في التعريف¹⁹

”تعریف کے اندر تراضی کا ذکر مناسب نہیں۔“

حقیقت بھی یہی ہے کہ بیع کے صحیح اور نافذ ہونے کے لیے عاقدین کی رضامندی شرط اور ضروری ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بِتِجَارَةٍ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ²⁰

”اے ایمان والوں! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو۔“

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

إنما البيع عن تراض²¹

¹⁸ الزليعي فخر الدين، عثمان بن علي بن محسن الباري، الحنفی، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الميوع، (القاهرة: المطبعة الكبرى)، ۲: ۴

¹⁹ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی الحنفی، رد المختار علی الدر المختار، کتاب الميوع، ۴: ۵۰۳

²⁰ النساء: ۲۹

²¹ القزوينی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، باب بیع الخمر، کتاب التجارات، (بیروت: دار الفکر)، ۲: ۷۳۷

”بیع فریقین کی رضامندی سے وجود میں آتی ہے۔“

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال لا یتفرقن عن بیع إلا عن تراض²²

”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فریقین آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہو۔“

چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی فقہ البیوع میں فرماتے ہیں:

و یجب لجواز البیوع تراضی المتعاقدين لقوله تعالى: يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم

بینکم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منکم.²³

”بیع کے جائز ہونے کے لیے دونوں فریقوں کا راضی ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ: اے

ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے مت کھاؤ الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو۔“

قرآن و سنت کے ارشادات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ شرعاً وہی بیع معتبر اور قابل نفاذ ہے جو فریقین کی

باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو، کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی بیع پر مجبور کرنا جائز نہیں۔

اکراہ کی بناء پر عقد فاسد اور عام بیوع فاسدہ میں فرق:

اکراہ کی صورت میں اگر بائع کو ثمن لینے پر مجبور کیا جائے تو اس سے عقد لازم نہیں ہوتا بلکہ بائع کا اس

ثمن کو مشتری پر لوٹانا ضروری ہے، کیونکہ اکراہ کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہے، لیکن اکراہ کی بناء پر عقد فاسد اور عام

بیوع فاسدہ میں چار اعتبار سے فرق ہے:

1۔ اکراہ کی صورت میں عقد فاسد، قولی یا فعلی اجازت سے درست ہو جاتی ہے، جبکہ عام بیع فاسد میں اجازت

کے باوجود وہ بیع درست نہیں ہوگی بلکہ اس کا توڑنا ہی واجب ہے۔

²² الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ السلی، سنن الترمذی، کتاب البیوع، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، ۳: ۵۵۱

²³ عثمانی، محمد تقی، فقہ البیوع، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۱۳ء)، ۱: ۱۹۵

- 2- اگر اہ کی صورت میں اگر مشتری نے بیع میں تصرفات کیے ہوں مثلاً ان کو آگے بیچ دیا ہو تو ان سب تصرفات کو ختم کیا جائے گا اگرچہ بیع کی کئی ہاتھوں میں چلی گئی ہو، جبکہ عام بیع فاسد میں اگر مشتری بیع آگے کسی شخص کو بیچ دے تو اس کو برقرار رکھا جائے گا، ختم نہیں کیا جائے گا۔
- 3- اگر بیع غلام ہو اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا تو اگر اہ کی صورت میں اس کی اعتناق کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہو گا جبکہ عام بیع فاسد میں قبضہ کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔
- 4- مکروہ کے قبضہ میں ثمن امانت ہوتی ہے اور بلا تعدی ہلاک ہونے کی صورت میں اس پر ضمان نہیں آئے گا، جبکہ عام بیع فاسدہ میں ثمن بائع کے قبضہ میں ضمانت ہوتی ہے اور ہلاکت کی صورت میں وہ ضامن ہو گا۔ الدر المختار میں ہے:

وإن (قبض) الثمن مكرها لا يلزم ورده ولم يضمن إن هلك الثمن لأنه أمانة درر إن بقي في يده لفساد العقد لكنه يخالف البيع الفاسد في أربع صور يجوز بالإجازة القولية والفعلية و الثاني أنه ينقض تصرف المشتري منه وإن تداولته الأيدي والثالث: تعتبر القيمة وقت الإعتاق دون وقت القبض و الرابع: الثمن والمثمن أمانة في يد المكره لأخذه بإذن المشتري فلا ضمان بلا تعد بخلافها في الفاسد بزازية.²⁴

بیع بالا کراہ میں زیادتی متصلہ ومنفصلہ کے ضمان کا حکم:

بیع بالا کراہ چونکہ بیع فاسد کے حکم میں ہوتی ہے اور مکروہ کو اس بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، یہ اختیار کسی بھی صورت میں ختم نہیں ہوتا، لہذا اس صورت میں اگر بیع میں کوئی زیادتی پیدا ہو جائے، خواہ زیادتی متصلہ ہو یا منفصلہ، بہر صورت اس کو فسخ کا اختیار رہے گا، زیادتی کے ساتھ اس کو واپس مالک پر لوٹایا جائے گا، البتہ اگر زیادتی متولدہ نہ ہو بلکہ غیر متولدہ ہو مثلاً کپڑا تھا اس نے سی لیا تو ایسی صورت میں مشتری کی رضامندی کے بغیر بائع مکروہ کو فسخ کا اختیار نہیں ہو گا۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے:

(قوله ولا بالزيادة المنفصلة) سواء كانت متولدة كالثمرة أو لا كالأرض وكذا المتصلة المتولدة كالسمن وأما غير المتولدة كصبغ وخطاطة ولت سويق فتمنع الاسترداد إلا برضا المشتري كذا ذكروا في البيع الفاسد.²⁵

²⁴ الحنفی، محمد بن علی بن محمد الحنفی المعروف بعلاء الدین الحنفی، الدر المختار، کتاب الاکراہ، ۶: ۱۳۱

²⁵ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی، رد المختار علی الدر المختار، کتاب الاکراہ، ۶: ۱۳۰

بیع بالا کراہ کی صورت میں عاقدین کی موت کے باوجود حق فسخ کا ثبوت:

اکراہ کی صورت میں چونکہ مکرمہ کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، مکرمہ خواہ بائع ہو یا مشتری اور یہ اختیار ان میں سے کسی کے مرنے سے بھی ختم نہیں ہوتا بلکہ عاقدین میں سے ہر ایک کے ورثاء اپنے اپنے مورث کے قائم مقام ہو گے۔

(فلو أكره بقتل أو ضرب شديد) متلف لا بسوط أو سوطین فسخ) ما عقد ولا يبطل حق الفسخ بموت أحدهما ولا بموت المشتري وفي الشامية أي المکره والمکره فيقوم ورثة كل مقامه كورثة المشتري.²⁶

حق الاجازہ اور اس کی اقسام:

احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اکراہ کی وجہ سے کی گئی بیع مکرمہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، اکراہ کے زائل ہونے کے بعد مکرمہ کو بیع کو جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہوتا ہے، اس لیے یہاں اکراہ کے زائل ہونے کے بعد مکرمہ کا بیع کو جاری رکھنے اور اس کی اجازت دینے کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔ اکراہ زائل ہو جانے کے بعد مکرمہ کو حالت اکراہ میں کی گئی بیع کو جاری رکھنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اگر مشتری نے اس میں تصرفات کیے ہوں تو بائع مکرمہ اس کے تصرفات کو جاری رکھ کر سکتا ہے، اس کو حق الاجازۃ کہا جاتا ہے، اجازت کی دو قسمیں ہیں: اجازتِ قولی اور اجازتِ فعلی۔

اجازتِ قولی:

اجازتِ قولی یہ ہے کہ اکراہ کے زائل ہونے کے بعد مکرمہ اپنے قول سے یہ کہے کہ میں نے اس بیع کو برقرار رکھا ہے یا میں اس بیع کو فسخ نہیں کرنا چاہتا یا یہ کہے کہ میں نے اس بیع کی اجازت دی۔ اجازتِ قولی کے بعد اس کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا، لہذا اس کے بعد اگر مکرمہ نے دوبارہ اس بیع کو ختم کرنا چاہا تو اس کو اس کا حق نہیں کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے اپنا حق ساقط کر دیا۔

اجازت فعلی:

اجازت فعلی یہ ہے کہ مکروہ کی جانب سے کوئی بھی ایسا فعل صادر ہو جائے جو حالتِ اکراہ میں کئے گئے تصرفات کو برقرار رکھنے اور فسخ نہ کرنے پر دلالت کرے، مثلاً اکراہ زائل ہونے کے بعد بائع مکروہ نے مشتری سے بخوشی ثمن لے لیا تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہوگی، کیونکہ ثمن پر اپنے اختیار سے قبضہ کر لینا رضامندی کی دلیل ہے، لہذا اس کے بعد مکروہ کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ درر الحکام میں ہے:

الإجازة نوعان: النوع الأول: الإجازة قولاً وصراحة كقول المكره أجزت البيع المذكور أو أعطيت إجازة به النوع الثاني: الإجازة الفعلية فلو قبض البائع المكره طائعا ثمن المبيع أو سلم المبيع للمشتري طائعا نفذ البيع المذكور لأن الإكراه على البيع لا يستلزم الإكراه على تسليم المبيع ولأن الاستحقاق في البيع يثبت بنفس العقد فلم يكن التسليم فيه داخلا في الإكراه.²⁷

حق فسخ اور استرداد:

احناف کے نزدیک حالتِ اکراہ میں کی گئی بیع کو اکراہ کے زائل ہونے کے بعد چونکہ مکروہ ختم بھی کر سکتا ہے اور اگر مشتری نے اس میں تصرفات کیے ہوں تو ان تصرفات کو ختم کر کے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے، اس کو حق فسخ اور حق استرداد کہا جاتا ہے۔ مکروہ کے لیے حق فسخ ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور ان کے ورثاء بیع کو فسخ کرنے میں ان کا قائم مقام ہونگے، اسی طرح اگر بیع میں کوئی ایسی زیادتی ہو جائے جو اس سے علیحدہ ہو سکتی ہو مثلاً گائے جب وہ بچہ جنے یا وہ زیادتی اس بیع کے ساتھ متصل ہو، ان دونوں صورتوں میں بھی مکروہ کو حق فسخ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں: ولا يبطل حق الفسخ بموت أحدهما ولا بموت المشتري ولا بالزيادة المنفصلة.²⁸ اور اگر مشتری نے بیع میں تصرف کیا ہو تو اس میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ تصرفات قابل فسخ ہوں مثلاً اس نے بیع کو آگے بیچ دیا یا اس کو صدقہ کر لیا تو ان صورتوں میں ان تصرفات کو ختم کیا جائے گا اور اس چیز کو واپس مکروہ کو دلایا جائے گا، اور اگر وہ تصرفات ناقابل فسخ ہو مثلاً بیع غلام تھا اور مشتری نے اس کو آزاد کیا تو ایسی صورت میں مکروہ کو حق فسخ نہیں ملے گا بلکہ وہ مشتری سے اس کا ضمان لے سکتا ہے۔

²⁷ آفندی، علی حیدر خواجہ امین، درر الحکام فی شرح مجلۃ الأحکام، ۲: ۳۶

²⁸ حصکفی، محمد بن علی بن محمد، الدر المختار، کتاب الاکراہ، ۶: ۱۳۰

بیع و شراء پر اکراہ کے اثرات

چنانچہ ڈاکٹر محمد محمود لکھتے ہیں:

أما الحنفية فقد فرقوا في نوع التصرف فقالوا إذا تصرف المشتري بالعين تصرفاً لا يقبل الفسخ فلاحق للمكره بالنقض والاسترداد بل ينتقل حقه الى المطالبة بالضمان وعلى اعتبار العين بحكم الهالكة أما اذا تصرف بها تصرفاً يقبل الفسخ بعد قبضها من المكره، فلا يبطل حقه في استردادها حتى لو تداولتها الأيدي فلو باع المشتري العين من آخر وباعها الثاني من الثالث وباعها ثالث من غيره وهكذا فللمكره ان يفسخ العقود كلها.²⁹

عین ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم:

عام حالات میں مکّرہ کو حالت اکراہ میں کی گئی بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن بسا اوقات بیع فسخ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے، یا تو بیع ہلاک ہونے کی وجہ سے یا مشتری نے ایسا تصرف کیا ہوا ہوتا ہے جس کو فسخ کرنا ممکن نہیں ہوتا مثلاً بیع غلام تھا اور اس نے اس غلام کو آزاد کیا، تو ایسی صورت میں مکّرہ کو حق فسخ کے بجائے عین کا ضمان لینے کا حق ہوتا ہے، ایسی صورت میں مکّرہ چاہے مکّرہ سے ضمان لے لے یا مشتری سے لے لے۔ اگر مکّرہ نے ضمان مکّرہ سے لیا تو اس صورت میں مکّرہ اس کی قیمت کا مشتری سے رجوع کرے گا، اس لیے کہ جب مکّرہ نے اس کا ضمان ادا کر لیا تو اس چیز کا مالک ہو گیا، اس لیے مکّرہ کو مشتری سے قیمت کا ضمان لینے کا حق ہے، لیکن اگر مکّرہ نے ضمان مشتری سے لے لیا تو مشتری اس کا ضمان مکّرہ سے نہیں لے سکتا۔

اگر بیع میں تصرفات ہو گئے ہوں مثلاً اس کو کئی لوگوں نے ایک دوسرے سے خرید اہوں تو ایسی صورت میں مکّرہ کو اختیار ہے کہ جس مشتری سے چاہے ضمان لے سکتا ہے، اگر مکّرہ نے مشتری اول سے ضمان لیا تو بقیہ سارے تصرفات درست ہو جائیں گے، کیونکہ جب بیع اول صحیح ہو گئی تو گویا اس نے اپنی ملکیت بیچ دی، لیکن اگر مکّرہ نے مشتری دوم یا سوم کو ضامن بنایا تو اس صورت میں اس سے پہلے والے تصرفات درست نہیں ہونگے اور بعد والے درست ہو جائیں گے، اس لیے کہ فساد کی صورت میں قبضہ کے وقت ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اس سے پہلے نہیں، لہذا اس صورت میں بھی جس کو ضامن بنایا ہے اس کی ملکیت ثابت ہو گئی تو گویا کہ اس نے اپنی چیز بیچ دی جس کی وجہ سے اس کے بعد والوں کی بھی تصرف اور ملکیت ثابت ہو گئی، لیکن اس سے پہلے والوں کی ملکیت اس کی وجہ سے ثابت نہیں ہوئی۔

²⁹ محمود احمد، اثر الاکراہ فی المعاملات المالیہ، نسیہ، ۱۹

علامہ حصفی لکھتے ہیں:

والبائع المكره له أن يضمن أيا شاء من المكره بالكسر والمشتري فإن ضمن المكره رجع على المشتري بقيمته وإن ضمن المشتري نفذ يعني جاز لما مر كل شراء بعده ولا ينفذ ما قبله لو ضمن المشتري الثاني مثلاً لصيرورته ملكه فيجوز ما بعده لا ما قبله فيرجع المشتري الضامن بالثمن على بائع.³⁰

اس کی تشریح علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں:

(قوله: له أن يضمن أيا شاء) لأن المكره كالغاصب والمشتري كغاصب الغاصب وإن ضمن المشتري لا يرجع على المكره زيلعي. (قوله: رجع على المشتري بقيمته) لأنه بأداء الضمان ملكه فقام مقام المالك المكره فيكون مالكا من وقت وجوب السبب بالاستناد زيلعي (قوله يعني جاز) المراد هنا بالجواز الصحة لا الحل كما لا يخفى فافهم. (قوله لما مر) من أنه نافذ قبل الإجازة والموقوف عليها اللزوم بمعنى الصحة بناء على ما في شرح الطحاوي وقد مر الكلام فيه (قوله: كل شراء بعده) أي لو تعدد الشراء وكذا نفذ شراء المشتري من المكره وهذه مسألة ذكرها الزيلعي مستقلة موضوعها لو تداولته الأيدي وما قبلها موضوعها في مشتر واحد جمعها المصنف في كلام واحد اختصاراً (قوله: لو ضمن المشتري الثاني مثلاً) أفاد بقوله مثلاً أن له أن يضمن أيا شاء من المشتريين فأيهما ضمنه ملكه كما في التبيين.³¹

مکرہ کے وکیل سے ضمان لینے کا حکم:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مکرہ کو اختیار ہے کہ مکرہ اور مشتری میں سے جس کو چاہے ضامن بنالے، لیکن اگر مکرہ نے اکراہ کے لیے اپنا کوئی وکیل مقرر کیا ہو کہ وہ کسی کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کرے، تو کیا ایسی صورت میں مکرہ کے وکیل سے ضمان لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مکرہ نے اپنے وکیل کو اکراہ ملجی کے ساتھ مجبور کیا ہو کہ وہ دوسرے کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کرے تو ایسی صورت میں مکرہ، مکرہ کے وکیل کو ضامن نہیں بنا سکتا، اس لیے کہ اکراہ ملجی کی وجہ سے اس کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں رہا، تو گویا وکیل محض مکرہ کا آلہ ہے، اس لیے وکیل سے ضمان نہیں لیا جاسکتا۔ اور اگر مکرہ نے اکراہ غیر ملجی کے ساتھ وکیل کو مجبور کیا ہو اور اس نے ایسی حالت میں بائع کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کیا تو اس صورت میں مکرہ وکیل سے بھی ضمان لے سکتا ہے، اس لیے کہ اکراہ غیر ملجی مباشر کے فعل کو غیر معتبر قرار دینے میں مؤثر نہیں، اس لیے مکرہ، مکرہ کے وکیل سے بھی ضمان لے سکتا ہے۔

³⁰ الحصفی، محمد بن علی بن محمد، الدر المختار، کتاب الاکراہ، ۶: ۱۳۳

³¹ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی، رد المختار علی الدر المختار، کتاب الاکراہ، ۶: ۱۳۳

بیع و شراء پر اکراہ کے اثرات

المبسوط للسرخی میں ہے:

ولو أكرهه على أن وكله ببيع عبده من هذا بألف درهم وأكرهه على دفعه إليه حتى يبيعه ففعل ذلك فباعه الوكيل وأخذ الثمن ودفع العبد إلى المشتري فهلك العبد في يده من غير فعله والوكيل والمشتري غير مكرهين فالمولى بالخيار إن شاء ضمن المشتري قيمة عبده لأنه قبضه طائعا بشراء فاسد وإن شاء ضمن الوكيل لأنه متعدد في البيع والتسليم طائعا وإن شاء ضمن ممتلكا على المكره حتى لو أعتقه نفذ عتقه فلا يمكن أن يجعل ممتلكا بهذا السبب على الوكيل... ولو كان المولى والوكيل مكرهين بالقتل فإن المولى بالخيار إن شاء ضمن المشتري قيمة عبده لأنه قبضه بشراء فاسد طائعا وإن شاء ضمن المكره بإكراهه إياه على التسليم بوعيد تلف ثم يرجع بها المكره على المشتري لأنه قائم مقام من ضمن ولأنه ملكه بالضمان ولا ضمان له على الوكيل لأنه كان مكرها بالقتل على القبض والتسليم فلا يبقى في جانبه فعل معتبر.³²

عین میں نقصان ہونے پر ضمان کا حکم:

جبری بیع میں اگر عین میں کوئی نقصان آجائے، تو اس کا حکم غصب کی طرح ہے، اس صورت میں نقصان اگر بیع کا کوئی حصہ ہلاک ہونے کی وجہ سے یا اس میں کوئی عیب آنے کی وجہ سے آیا ہو تو عین کو مالک پر لوٹایا جائے گا اور جتنا نقصان ہوا ہے اس کا تاوان مالک کو دیا جائے گا، اور اگر نقصان اس چیز کی قیمت گرنے کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں اس کا کائی ضمان واجب نہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر محمد محمود لکھتے ہیں:

إذا حصل زيادة أو نقص في العين فحكمه حكم الغصب. ففي حال النقص إن كان هذا النقص بسبب فوت جزء من المبيع أو حصول عيب به يرد العين إلى مالكها وارش ما نقص منها اتفاقاً... وإن كان النقص بسبب تراجع الاسعار فلا ضمان عليه لأن تراجع الاسعار يكون نتيجة فتور الرغبات في السلع دون فوت الجزء هذا متفق عليه بين الفقهاء.³³

مشتري کے پاس بیع ہلاک ہو جائے:

اگر کسی شخص نے اکراہ کی وجہ سے اپنی چیز بیچ دی، اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا جبکہ مشتری خریدنے پر مجبور نہیں تھا اور وہ چیز مشتری کے پاس ہلاک ہو گئی تو اس چیز کی قیمت مشتری پر لازم ہے، اس لیے کہ بیع مکروہ بیع

³² السرخی، شمس الأئمة محمد بن أحمد بن أبي سهل، المبسوط، کتاب الاکراہ، باب الاکراہ فی الوکالۃ، ۲۴: ۱۴۷

³³ محمود احمد، اثر الاکراہ فی المعاملات المالیه، نسیم، ۲۳

فاسد کے حکم میں ہے اور مشتری نے بیع پر قبضہ اپنے اختیار سے کیا تھا، لہذا بیع مضمون بالقیمہ ہے، لیکن اگر مشتری بھی خریدنے پر مجبور تھا تو اس صورت میں بیع اس کے قبضہ میں امانت ہوگی، لہذا اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں اور اگر تعدی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب ہوگا۔
البحر الرائق میں ہے:

(وإن هلك المبيع في يد المشتري وهو غير مكره والبائع مكره ضمن قيمته للبائع) لأنه قبضه بحكم عقد فاسد فكان مضمونا عليه بالقيمة قيد بقوله والمشتري غير مكره قال قاضي خان ولو كان المشتري مكرها دون البائع فهلك المشتري عنده من غير تعد منه يهلك أمانة.³⁴

ضمان لینے میں قیمتوں کا اعتبار:

اگر مشتری نے حالتِ اکراه میں خریدی ہوئی چیز میں کوئی ایسا تصرف کیا جو ناقابلِ فسخ ہو یا وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں چونکہ مکرمہ کو مکرمہ اور مشتری میں سے جس سے چاہے ضمان لینے کا حق حاصل ہوتا ہے، لیکن ضمان میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا اس کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر ہلاک شدہ بیع مثلیات میں سے ہو تو اس صورت میں ضمان میں مثلی چیز ہی لی جائے گی، لیکن اگر بیع قیمیات میں سے ہو تو اس صورت میں اگر مکرمہ نے مکرمہ کو ضامن قرار دیا تو اس سے وقت التسليم (جس وقت بائع مکرمہ نے بیع کو مکرمہ کے حوالہ کیا) کی قیمت لی جائے گی، اور اگر مشتری کو ضامن قرار دیا تو اس صورت میں مکرمہ کو اختیار ہے چاہے اس سے یوم القبض کی قیمت (یعنی جس دن مشتری نے وہ چیز خرید کر اس پر قبضہ کر لیا تھا) لے لے یا اس دن کی قیمت لے لے جس دن وہ چیز ناقابلِ فسخ ہو گئی تھی (مثلاً اس نے خریدے ہوئے غلام کو آزاد کیا یا جس دن وہ بیع ہلاک ہو گئی، اگر یوم القبض اور یوم الہلاک کی قیمتوں میں تفاوت ہو تو جس دن کی قیمت زیادہ ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے۔

چنانچہ شیخ علی حیدر درر الحکام میں فرماتے ہیں:

إذا تصرف مشتري المال المبيع فيه لا يمكن معه نقض البيع وفسخه فالمالك مخير إن شاء ضمن المخبر، يعني إذا كان المبيع من المثليات يأخذ مثله وإذا كان من القيميّات يأخذ قيمته وقت تسليمه وإن شاء ضمن المشتري وإذا اختار تضمين المشتري فيه أن يضمّنه قيمته يوم قبضه إياه وله أن

³⁴ ابن نجيم زين الدين بن ابراهيم بن محمد، البحر الرائق، كتاب الاكراه، هلك المبيع في يد المشتري وهو غير مكره والبائع مكره، (بيروت: دار الكتب الإسلامية)، ۸: ۸۲

بیع و شراء پر اکراہ کے اثرات

یضممنہ قیمتہ وقت إحداثہ الحال الغیر قابل للنقض لأنه قد أفسد علی المال بهذا الإحداث حق استرداده. وفي كون المکره مخیرا فی التضمین نظر له حیث یختار لأکثر عند التفاوت.³⁵

ان چند اصولی باتوں کو ذکر کرنے کے بعد اکراہ سے متعلق مسائل ذکر کیے جائیں گے۔

اپنی چیز فروخت کرنے پر اکراہ:

جیسا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے بیع کے صحیح اور درست ہونے کے لیے عاقدین کی رضامندی اور طیب نفس کو ضروری قرار دیا ہے، لہذا اگر کسی عقد میں بائع کی رضامندی مفقود ہو اور جبر و اکراہ سے بائع کو مجبور کر کے بیع کی گئی ہو تو اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں، اس لیے کہ اکراہ کی حالت میں مکہ کی رضامندی نہیں ہوتی جبکہ بیع کے لیے بائع کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

لا یرکبن البحر إلا حاج أو معتمر أو غازی فی سبیل اللہ فإن تحت البحر ناراً و تحت النار

بحراً ولا تشتري من ذی ضغطة سلطان شیئا³⁶

”سمندر میں حاجی، عمرہ کرنے والا اور مجاہد کے علاوہ کوئی سفر نہ کرے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ یا آگ کے نیچے سمندر ہے اور بادشاہ کی طرف سے مجبور شخص سے کوئی چیز نہ خریدی جائے۔“

اسی لیے تمام فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ مکہ کی بیع جائز نہیں، خواہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی، مکہ کی بیع کی عدم جواز کے بارے میں اکراہ ملجی اور غیر ملجی دونوں برابر ہے۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

لأن الإکراه الملجئ و غیر الملجئ یعدمان الرضا والرضا شرط لصحة هذه العقود³⁷

حضرات احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مکہ کی بیع، بیع فاسد موقوف میں داخل ہے، فاسد اس لیے ہے کہ اس میں بائع کی رضامندی نہیں پائی جا رہی جو کہ شرط صحت بیع ہے۔ حنفیہ کے نزدیک چونکہ مکہ کی بیع فاسد ہے، باطل نہیں، اس لیے اگر مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کے وہ سارے تصرفات نافذ

³⁵ آفندی، علی حیدر خواجہ امین، درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام، ۲: ۳۷

³⁶ السیوطی، جلال الدین، جامع الأحادیث، مؤسسة الرسالة، ۱۷: ۱۲۶

³⁷ الحصکفی، محمد بن علی بن محمد، الدر المختار، کتاب البیوع، ۶: ۱۳۰

ہو جائیں گے جو ناقابلِ فسخ ہیں جیسے اعتاق، تدبیر وغیرہ، لیکن وہ تصرفات جو قابلِ فسخ ہیں جیسے بیع، ہبہ اور صدقہ وغیرہ، تو وہ نافذ نہیں ہوں گے اور مکروہ کی بیع کے موقوف ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اہل کے ختم ہو جانے کے بعد مکروہ کی اجازت سے وہ بیع نافذ ہو جائے گی، خواہ اجازت قولی ہو یا فعلی۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وأفاد في المنار وشرحه أنه يتعقد فاسدا لعدم الرضا الذي هو شرط النفاذ وأنه بالإجازة يصح ويزول الفساد وبه علم أن الموقوف على الإجازة صحته فصح كونه فاسدا موقوفا وظاهر أن الموقوف منه فاسد كبيع المكروه ومنه صحيح كبيع عبد أو صبي محجورين.³⁸

اسی طرح علامہ شامی کتاب الاکراہ میں تحریر فرماتے ہیں:

و حينئذ يملكه المشتري إن قبض فيصح إعتاقه وكذا كل تصرف لا يمكن نقضه قوله وكذا كل تصرف لا يمكن نقضه كالتدبير والاستيلاء والطلاق فلا يصح بيعه وهبته وتصدقته ونحوها مما يمكن نقضه قهستاني.³⁹

لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ بائع مکروہ کو اختیار اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس کو بیع اور بیع کے حوالہ کرنے پر یا ثمن کے قبضہ کرنے پر مجبور کیا جائے، اگر اس کو صرف بیع پر مجبور کیا گیا مگر بیع کے حوالہ کرنے پر مجبور نہیں کیا، اس صورت میں اگر بائع نے بیع مشتری کو دے دی تو یہ بیع لازم ہو جائے گی اور بائع کو اختیار نہیں ہوگا، اس لیے کہ بائع کو تو صرف بیع پر مجبور کیا گیا تھا اور اس نے مشتری کو قبضہ اپنے اختیار سے کرایا ہے اس لیے یہ بیع لازم ہوگئی اور اس کو اختیار نہیں ملے گا۔

درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے:

فإن قبض أي البائع المكروه الثمن أو سلم المبيع طوعا قيد للمذكورين نفذ البيع لوجود الرضا وإن قبضه الثمن مكرها لا أي لا ينفذ لعدم الرضا ورده أي رد البائع الثمن الذي قبضه مكرها إن بقي في يده ولم يضمن إن هلك لأن الثمن كان أمانة عند المكروه لأنه أخذ بإذن المشتري والقبض إذا

³⁸ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی الحنفی، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب المبیوع، ۴: ۵۰۳

³⁹ ایضاً، کتاب الاکراہ، ۶: ۱۳۱

بیع و شراء پر اکراه کے اثرات

كان بإذن المالك فإنما يجب الضمان إذا قبضه للملك وهو لم يقبضه له لكونه مكرها على قبضه فكان أمانة كذا في الكافي.⁴⁰

خریدنے پر جبر:

جس طرح بائع کو بیع پر مجبور کرنے کی وجہ سے اس کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اسی طرح اگر مشتری کو کسی چیز کے خریدنے، اس پر قبضہ کرنے اور ثمن کے حوالہ کرنے پر مجبور کیا تو اس کو بھی اس بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فأما إذا كان المكره هو المشتري دون البائع فللكل واحد منهما حق الفسخ قبل القبض وبعد القبض حق الفسخ للمشتري دون البائع لما ذكرنا في إكراه البائع وللمشتري أن يميز هذا العقد كما للبائع إذا كان مكرها.⁴¹

حکومت کا ذخیرہ اندوز کو مال فروخت کرنے پر مجبور کرنا:

ذخیرہ اندوزی کو عربی زبان میں "احتکار" کہتے ہیں، لغوی معنی غلہ کو اس نیت سے ذخیرہ کر لینا کہ جب مہنگا ہو جائے گا فروخت کرونگا، شرعاً ذخیرہ اندوزی کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان یا حیوان کی غذا ہو اس کو ایسے وقت میں ذخیرہ کر لینا جب شہر والوں کو اس کی ضرورت ہو، مقصد یہ ہے کہ بعد میں خوب زیادہ قیمت لے کر فروخت کروں گا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے قاموس الفقہ میں اس کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

"احتکار، اشیاء ضروریہ کو خرید کر اس طرح روک کر رکھنے کا نام ہے جس سے اہل شہر کو مشقت ہو"⁴²

چونکہ اس سے انسانوں اور حیوانات کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمادیا اور گناہ قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہے:

من احتكر فهو خاطئ⁴³

⁴⁰ ملا خسرو، محمد بن فراموز، درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الاکراه، باب شروط الاکراه، (بیروت: دارالکتب العلمیہ)، ۷: ۲۶۶

⁴¹ الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الاکراه، فصل فی بیان حکم ما یقع علیہ الاکراه، (بیروت: دارالکتب العلمیہ)، ۷: ۱۸۸

⁴² رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ، (کراچی: زمزم پبلشرز ۲۰۰۳ء)، ۲: ۳۰

”جو تاجر ذخیرہ اندازی کرے وہ خطا کار ہے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : الجالب مرزوق والمحتكر ملعون⁴⁴

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جالب (یعنی غلہ وغیرہ باہر سے لا کر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل) اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے (یعنی اللہ کی طرف سے پھنکارا ہوا اور اس کی رحمت سے دور ہے)۔“

فقہاء کرامؒ نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ ضرورت عامہ کے وقت ذخیرہ اندوزوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور سلطان وقت ان کو اپنا سامان بازار میں لانے اور ان کو سامان بیچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قال محمد رحمه الله تعالى للإمام أن يجبر المحتكر على البيع إذا خاف الهلاك على أهل المصر ويقول للمحتكر بع بما يبيع الناس ويزيادة يتغابن الناس في مثلها كذا في فتاوى قاضي خان.⁴⁵ مفتی محمد تقی عثمانی فقہ الیہود میں تحریر کرتے ہیں:

وكذلك يجوز الاجبار على البيع اذا احتكر التجار ما يحتاج اليه العامة.⁴⁶

حکومت کا سب کو ایک ہی قیمت پر فروخت کرنے پر جبر (تسعیر کا حکم):

شریعت اسلامیہ نے بیع میں قیمت طے کرنے کے سلسلہ میں متعاقبین کو اختیار دیا ہے کہ وہ دونوں آپس کی رضامندی سے مناسب قیمت طے کر لیں، اور ان دونوں کے درمیان کسی کی دخل اندازی کو ناپسند کیا ہے، اسی بات کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ”بیع الحاضر للبادی“ میں اشارہ کیا ہے:

دعوا الناس یرزق الله بعضهم من بعض⁴⁷

⁴³ البیهقی، أحمد بن الحسن بن علی بن موسیٰ أبو بکر، السنن الصغری، باب کراهیۃ الاحتکار، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ)، ۲: ۱۰۵

⁴⁴ ایضاً، ۱۰۶

⁴⁵ لجنة علماء برناسة نظام الدین البیہقی، الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الیہود، فصل فی الاحتکار، (بیروت: دار الفکر)، ۳: ۲۱۴

⁴⁶ عثمانی، محمد تقی، فقہ الیہود، ۱: ۲۴۳

⁴⁷ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، جامع الترمذی، کتاب الیہود، باب لا بیع حاضر لباد، ۳: ۵۲۶

”لوگوں كو اپنی حالت پر چھوڑو، اللہ تعالیٰ بعض كو بعض كے ذریعہ رزق دیتے ہیں۔“

اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے تسعیر سے صراحتاً منع فرمایا، چنانچہ حدیث میں ہے كہ:

غلا السعر علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقالوا یا رسول اللہ سعر لنا قال إن اللہ هو المسعر القابض الباسط الرزاق وإني لأرجو أن ألقى ربی وليس أحد منكم يطلبني بمظلمة في دم ولا مال.⁴⁸

”رسول اللہ ﷺ كے زمانے میں ایک دفعہ مہنگائی بڑھ گئی، تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا كہ آپ ہمارے لیے نرخ مقرر فرمادیں (اور تاجروں كو اس كا پابند كر دیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا كہ نرخ كم و بیش كرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی تنگی اور فراخی كرنے والا ہے، وہی سب كو رزق دینے والا ہے، اور میں چاہتا ہوں كہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں كہ كوئی مجھ سے جان و مال كے ظلم اور حق تلفی كا مطالبہ كرنے والا نہ ہو۔“

اس حدیث شریف كے تحت علامہ عبد الرحمن مبارك پوری تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں:

وقد استدلل بالحديث وما ورد في معناها على تحريم التسعير وأنه مظلمة ووجهه أن الناس مسيطون على أموالهم والتسعير حجر عليهم والإمام مأمور برعاية مصلحة المسلمين وليس نظره في مصلحة المشتري برخص الثمن أولى من نظره في مصلحة البائع بتوفير الثمن وإذا تقابل الأمران وجب تمكين الفريقين من الاجتهاد لأنفسهم وإلزام صاحب السلعة أن يبيع بما لا يرضى به مناف لقوله تعالى (إلا أن تكون تجارة عن تراض) وإلى هذا ذهب جمهور العلماء. وروي عن مالك أنه يجوز للإمام التسعير وأحاديث الباب ترد عليه وظاهر الأحاديث أنه لا فرق بين حالة الغلاء ولا حالة الرخص ولا فرق بين المجلوب وغيره وإلى ذلك مال الجمهور وفي وجهه للشافعية جواز التسعير في حالة الغلاء وظاهر الأحاديث عدم الفرق بين ما كان قوتاً للادى ولغيره من الحيوانات وبين ما كان من غير ذلك من الإدامات وسائر الأمتعة.⁴⁹

⁴⁸ ايضاً، باب التسعير، ٣: ٦٠٥

⁴⁹ المباركفوري، محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم أبو العلا، تحفة الاحوذى بشرح جامع الترمذى، ابواب البيوع، باب ما جاء في التجارة والمعاودة،

(بيروت: دار الكتب العلمية)، ٣: ٣٥١

اس حدیث کی بناء پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ عام حالات میں حکومت کی جانب سے کوئی قیمت متعین کر لینا جائز نہیں، عاقدین قیمت متعین کرنے میں آزاد ہیں جو قیمت آپس کی رضامندی سے طے ہو جائے اسی کا اعتبار ہوگا، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا ينبغي للسلطان أن يسعر على الناس لقوله عليه الصلاة والسلام لا تسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق⁵⁰

”حاکم وقت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ لوگوں کے لیے چیزوں کی قیمت متعین کر لے، آپ ﷺ کی اس فرمان کی وجہ سے کہ ”تم نرخ مقرر نہ کرو، کیونکہ نرخ کم و بیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی تنگی اور فراخی کرنے والا ہے، وہی سب کو رزق دینے والا ہے۔“

البتہ اگر تاجر اور کاروباری لوگ نفع کمانے کے لیے چیزوں کی مصنوعی قلت ظاہر کر کے چیزوں کو بہت زیادہ قیمت میں فروخت کرنے لگیں اور اس سے عوام بالخصوص غریب لوگوں کو ضرر اور ان پر زیادتی ہو رہی ہو، تو ایسی صورت میں اگر حاکم وقت یقین کے ساتھ یہ محسوس کرے کہ تاجروں کی طرف سے عوام پر زیادتی ہو رہی ہے، اور تجار افہام و تفہیم اور نصیحت سے اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتے تو حاکم قیمتیں مقرر کر کے اس پر عملدرآمد کروا سکتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ تاجروں کو ظالمانہ نفع اندازی کی چھوٹ دینا فساد فی الارض اور اللہ کی مخلوق پر تباہی لانا ہے۔

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

ومع ذلك فان رؤى منهم جور ظاهر لا يشك فيه الناس جاز تغييره فانه من الفساد في الأرض.⁵¹
اسی طرح امام مالکؒ نے مؤطا میں سعید ابن المسیبؒ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ کے بازار میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو دیکھا کہ وہ خشک کھجور کو ایسے نرخ پر فروخت کر رہے ہیں جو حضرت عمرؓ کے نزدیک نامناسب حد تک ارزاں ہے، تو آپ نے ان سے فرمایا:

إما أن تزيد في السعر وإما أن ترفع من سوقنا.⁵²

⁵⁰ المرغيناني، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، فصل في البيع، (بيروت: دار احياء التراث العربي)، ۳: ۳۷۷

⁵¹ الدحلوي، الإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم، حجۃ اللہ البالغہ، (دار الکتب الحدیثہ مکتبۃ الشیخ)، احکام البيع ج 1، ص 661

”یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ (یعنی مناسب حد تک قیمت بڑھاؤ) یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اٹھاؤ۔“
حضرت عمر کی اس اثر کی روشنی میں علماء محققین کی یہ رائے ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو عوام کو تجارت کے استحصال اور ان کی زیادتی سے بچانے کے لیے حکومت ضروری اشیاء کی قیمتیں مقرر کر سکتی ہے اور قیمتوں پر عملدرآمد کروا سکتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بھی یہی رائے ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ولهذا كان لولي الأمر أن يكره الناس على بيع ما عندهم بقيمة المثل عند ضرورة الناس إليه.⁵³
”اس (ظلم کی) وجہ سے سلطان کو اجازت ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی اپنی چیزوں کو قیمت مثل پر فروخت کرنے پر مجبور کرے جبکہ لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہو۔“

نیز امام صاحب جو تسعیر کے مخالف ہیں وہ بھی ان حالات میں عوام کو گرانی سے بچانے کے لیے عارضی تسعیر کی اجازت دیتے ہیں:

فإن كان أرباب الطعام يتحكمون ويتعدون عن القيمة تعديا فاحشا وعجز القاضي عن
صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير فحينئذ لا بأس به بمشورة من أهل الرأي.⁵⁴

”اگر غلہ کے مالکان اجارہ دار بن جائے اور قیمت مثل کی حد سے تجاوز کرنے لگے اور قاضی تسعیر (نرخ مقرر کرنے) کے بغیر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ سے عاجز ہو جائے تو اہل رائے اور اہل بصیرت لوگوں کے مشورے سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

ان سارے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ عام حالات میں قیمت مقرر کرنا جائز نہیں، البتہ غیر معمولی حالات میں جب تجارت ضرورت کی اشیاء کو بہت مہنگا بیچنے لگے تو ایسی صورت حال میں حکومت کو تسعیر کی اجازت ہے۔

توسیع مسجد کے لیے گھر فروخت کرنے پر جبر:

عام حالات میں مسجد کی توسیع کے لیے کسی کو اس کی زمین فروخت کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں، لیکن اگر مسجد بہت تنگ ہو اور توسیع کی شدید ضرورت ہو اور قرب وجوار میں کوئی دوسری مسجد بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں مالک مکان سے جبراً اس کا گھر یا زمین قیمت لی جاسکتی ہے، نیز یہ حکم بھی اس مسجد کے بارے میں ہے جس

⁵² مالک بن انس، الموطأ، البیوع، فصل الحرة والترص، (مؤسسة الرسالة بیروت)، ۹۴۲: ۴۰

⁵³ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، الحسبة لابن تیمیہ، موقع الاسلام، الاحتساب فی المعاملات المحرمة، ۱: ۲۷

⁵⁴ ابن الہمام، هو محمد عبد الواحد بن عبد الحمید کمال الدین، فتح القدر، کتاب الکراہیہ، فصل فی البیع، (کونستانتین: مکتبۃ رشیدیہ)، ۲۲: ۲۹۱

کے اندر پانچ وقت نماز کے لیے تنگی ہوتی ہو، اگر صرف جمعہ اور نماز عیدین میں تنگی ہوتی ہو تو اس وقت کسی کی زمین جبر الینا جائز نہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض تؤخذ أرضه بالقيمة كرها لما روي عن الصحابة رضي الله عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرة من أصحابها بالقيمة وزادوا في المسجد الحرام.⁵⁵

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

(قوله بالقيمة كرها) لما روي عن الصحابة رضي الله عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرة من أصحابها بالقيمة وزادوا في المسجد الحرام بحر عن الزيلعي قال في نور العين ولعل الأخذ كرها ليس في كل مسجد ضاق بل الظاهر أن يختص بما لم يكن في البلد مسجد آخر إذ لو كان فيه مسجد آخر يمكن دفع الضرورة بالذهاب إليه نعم فيه حرج لكن الأخذ كرها أشد حرجاً منه ويؤيد ما ذكرنا فعل الصحابة إذ لا مسجد في مكة سوى الحرام.⁵⁶

شارع عام کی توسیع کے لیے زمین فروخت کرنے پر جبر:

اگر کسی جگہ پر عوام کی منفعت کے لیے شارع عام کو وسیع کیا جا رہا ہو اور سڑک کے آس پاس گھر ہوں تو ایسی صورت میں اگر مالک مکان اپنا گھر فروخت کرنے پر راضی نہ ہو تو حاکم وقت کے لیے شرعاً گنجائش ہے کہ وہ مالک مکان سے جبراً اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کے مکان کو خرید کر شارع عام میں شامل کرے، لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں:

- 1- کہ واقعاً سڑک کو وسیع کرنے کی ضرورت ہو اور اس کے ارد گرد کوئی اور خالی زمین نہ ہو۔
- 2- مالک مکان سے اس وقت تک مکان لینا جائز نہیں جب تک اس مکان کی قیمت مثلی اس کے حوالہ نہ کی جائے۔

⁵⁵ ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المحرر المرقی، کتاب البیع، (بیروت: دار الکتب الاسلامی)، ۵: ۲۷۶

⁵⁶ ابن عابدین، محمد امین بن عمر الحنفی، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی الوقف، إذا خرب ولم یکن عمارتہ، ۴: ۳۷۹

حکومت کی طرف سے تحدید ملکیت:

مصالح عامہ کے پیش نظر اسلامی حکومت کو اپنی رعایا کے لیے ملکیت کی کوئی حد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تحدید ملکیت کی کئی صورتیں ہیں:

1- تحدید ملکیت کی پہلی صورت یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ملکیت کی ایک مستقل حد مقرر کر لی جائے، اور اس سے زیادہ کوئی چیز ملکیت میں لانے یا رکھنے کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے، اس طرح کی مستقل حد مقرر کر لینا قرآن و حدیث کی رو سے جائز نہیں۔

اسلام نے جائز ملکیت پر کوئی حد عائد نہیں کی ہے، شرعی حدود کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی ملکیت میں اضافہ کرنا جائز ہے، اور شریعت نے جس چیز کو جائز قرار دیا ہو اس کو مستقل طور پر ممنوع قرار دینے کا حق کسی کو نہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہوں میں بیان فرمایا ہے کہ جس طرح کسی کو حرام چیزوں کو حلال کرنے کا اختیار نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حلال چیز حرام کرنے کا اختیار نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَمُوا طَبِيبًا مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ⁵⁷

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، ان کو حرام نہ ٹھہراؤ، اور حد سے تجاوز نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۖ قَدْ صَلُّوا عَلَيْهِمْ وَكَانُوا مُهْتَدِينَ⁵⁸

”واقعی خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی میں نادانی سے قتل کر ڈالا، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا تھا اس کو حرام کر لیا، اللہ پر بہتان باندھ کر، یہ لوگ گمراہ ہوئے اور راہ پر نہیں آئے۔“

⁵⁷ المائدہ: ۸۷

⁵⁸ الانعام: ۱۴۰

لہذا جب قرآن و سنت نے جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی املاک کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی، تو اپنی طرف سے کوئی حد مقرر کر کے اس سے زائد املاک کے حصول کو مستقل طور پر ممنوع قرار دینا ایک حلال چیز کو حرام کرنا ہے، جس کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر کوئی قانون مستقل طور پر ایسی تحدید عائد کرے تو وہ قرآن و سنت کے احکام سے یقیناً متصادم ہو گا۔

عارضی تحدید ملکیت:

تحدید ملکیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مصلحت عامہ کے پیش نظر عارضی طور پر کچھ عرصے کے لیے ملکیت کی کوئی حد مقرر کی جائے، اس عارضی تحدید ملکیت کی دو صورتیں ہیں:

1- یہ ہے کہ مالکوں کی املاک چھیڑے بغیر یہ حکم جاری کیا جائے کہ آئندہ کوئی شخص فلاں چیز ایک مقررہ حد سے زیادہ اپنی ملکیت میں نہیں لاسکے گا۔

2- یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی ملکیت کی ایک حد مقرر کر دی جائے اور یہ قانون بنایا جائے کہ جس کے پاس وہ چیز اس مقررہ حد سے زیادہ ہو، اُسے وہ زائد مقدار حکومت کے حوالے کرنی ہوگی، اور آئندہ اس مقدار سے زیادہ وہ چیز اپنی ملکیت میں لانا جائز نہیں ہو گا۔

پہلی صورت درحقیقت تحدید ملکیت کی نہیں بلکہ ملکیت کی کسی خاص شکل کے حد سے زیادہ استعمال پر پابندی ہے، مثلاً مصالح عامہ کے پیش نظر عارضی طور پر یہ قانون بنادیا جائے کہ جس شخص کے پاس رہائش کے لیے ایک مقررہ رقبے کا مکان موجود ہے، اب وہ کوئی نیا مکان نہیں بنا سکتا۔ اگر مصالح عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کی تحدید حکومت کی طرف عائد کی جائے اور اس کا مقصد کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا نہ ہو بلکہ عارضی طور ایک انتظامی حکم جاری کرنا ہو تو اس کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس کا حاصل ایک مباح کام پر عارضی پابندی لگانا ہے اور اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ مصالح عامہ کے پیش نظر کسی مباح کام پر عارضی طور سے پابندی لگائے، اور ایسی صورت میں عوام پر حکومت کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ⁵⁹

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، اور اپنے میں سے ذمہ داروں کی اطاعت کرو۔“
اس آیت میں ”اولو الامر“ کی اطاعت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ مباحات کے سلسلہ میں جب وہ کوئی حکم دیں تو ان کی اطاعت واجب ہے، بشرطیکہ ان کا وہ حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو، اگر ان کی اطاعت میں اللہ اور رسول ﷺ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو تو پھر امیر ہونے کی حیثیت سے ان کا حکم ماننا لازم ہے۔
آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

السمع والطاعة حق ما لم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة.⁶⁰
”(امیر کی بات) ماننا اور سننا برحق ہے جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے، پس اگر کسی معصیت کا حکم دے تو پھر سننا ماننا نہیں۔“
فقہاء کرام نے بھی یہ اصول اپنی کتب میں ذکر فرمایا ہے کہ مباحات میں امیر کا حکم واجب التعمیل ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة.⁶¹
”امام کی اطاعت ان چیزوں میں واجب ہے جو معصیت نہ ہو۔“
لیکن یاد رہے کہ اس اصول کے ساتھ اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ امام کا حکم قرآن و حدیث کے مخالف نہ ہو، مباحات سے متعلق ہو، اس میں عوام کی مصلحت ہو اور اس سے کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو۔
چنانچہ علماء اصولیین لکھتے ہیں:

تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة.⁶²
”امام کا رعیت پر تصرف مصلحت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔“

⁶⁰ البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، صحیح البخاری، کتاب الأحکام باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية
⁶¹ ابن عابدین، محمد آمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العیدین، ۲: ۱۷۲
⁶² ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم بن محمد، الاشباہ والنظائر، (بیروت: دار الکتب الاسلامی)، ۱: ۱۳۹

پس اگر اسلامی حکومت مصالح عامہ کے پیش نظر یہ حکم جاری کرے کہ آئندہ کوئی شخص فلاں چیز مقررہ حد سے زیادہ اپنے اختیار سے اپنی ملکیت میں نہ رکھے تو ایسا حکم شریعت کے خلاف نہیں اس لیے ایسا حکم واجب التعمیل ہے۔

مالکوں سے املاک چھین کر تحدید ملکیت:

تحدید ملکیت کی ایک صورت یہ ہے کہ مالکوں سے ان کے املاک چھین کر ان پر تحدید عائد کی جائے، پھر اس تحدید کی دو صورتیں ہیں:

1- چھینی ہوئی ملکیت کا کوئی معاوضہ اس کے مالک کو ادا نہ کیا جائے۔

2- جو ملکیت چھینی گئی ہے اس کا معاوضہ اس کے مالک کو ادا کیا جائے۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے کہ بلا معاوضہ کسی شخص سے اس کی ملکیت پر قبضہ کیا جائے تو اگر وہ جائیدادیں ناجائز طریقے سے حاصل کی گئی ہیں تو انہیں ضبط کر کے اصل مالکوں یا مستحقین کو دیدینا نہ صرف جائز بلکہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے، لیکن اگر وہ جائیدادیں جائز طور پر حاصل کی گئی ہوں تو قرآن و حدیث کی رو سے اس پر قبضہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث اور اسلامی احکام کی روشنی میں کسی کی ملکیت پر بلا معاوضہ قبضہ کرنے کی حرمت کے بارے میں کچھ تفصیل بیان کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا⁶³

”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے، اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔“

⁶³ النساء: ۲۹

تبع و شرع پر اکراہ کے اثرات

آیت میں جو "ناحق طور پر" کہا گیا ہے، اس کی تفسیر میں امام فخر الدین رازیؒ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہیں:

ان الباطل هو كل ما يؤخذ من الانسان بغير عوض.⁶⁴

"ناحق ہر وہ مال ہے جو کسی انسان سے بلا معاوضہ (زبردستی) لیا جائے۔"

مذکورہ بالا آیت میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بھی شخص کا کوئی بھی مال اس کی مرضی اور معاوضہ کے بغیر کسی لیے حلال نہیں۔

اسی اصول کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ اس طرح ذکر کیا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِإِتِبَاطٍ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِإِذْنِهِمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ⁶⁵

"اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔"

مذکورہ آیات قرآنی علی العموم خواہ حکومت کی طرف سے یا کسی اور شخص کی جانب سے لوگوں کی جائز املاک کو بلا معاوضہ زبردستی لینے کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو عظیم الشان تاریخی خطبہ دیا، اس میں آپ ﷺ نے اسلامی احکامات اور اسلامی تعلیمات کو نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا، اس خطبے کا ایک اہم جز یہ ہے:

قال فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في

شهركم هذا.⁶⁶

"پس تمہارے خون، تمہارے مال، اور تمہاری آبرو تم پر ایسی ہی حرمت کی حامل ہے جیسے اس (مبارک) مہینے اور اس (مبارک) شہر میں تمہارے اس دن (یعنی یوم حج) کی حرمت ہے۔"

⁶⁴ فخر الدین الرازی، محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی، تفسیر الفخر الرازی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، ۱: ۱۳۳۱

⁶⁵ البقرہ: ۱۸۸

⁶⁶ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، جامع الترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ التوبہ، ۵: ۲۷۳

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

من ظلم قید شبر من الأرض طوقه سبع أرضين.⁶⁷

”جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ناحق لے لے، اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔“

حضرت عبد اللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ:

عن ابن مسعود قال قلت يا رسول الله أي الظلم أظلم؟ قال ذراع من الأرض ينتقصها المرء المسلم من حق أخيه فليس حصاة من الأرض يأخذها أحد إلا طوقها يوم القيامة إلى قعر الأرض ولا يعلم قعرها إلا الله عز وجل الذي خلقها.⁶⁸

”میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا ظلم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایک گرز زمین بھی کوئی مسلمان شخص اپنے بھائی کے حق میں سے کم کرے، تو زمین کا ایک کنکر بھی جو کوئی اٹھالے گا، تو اسے قیامت کے دن زمین کے تہہ تک اس کے گردن میں طوق بنا دیا جائے گا، اور زمین کی تہہ کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں جس نے اس کو پیدا کیا۔“

قرآن و سنت کی مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے فقہاء امت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ کسی شخص کی جائز ملکیت اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی چھینا کسی کے لیے جائز نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب میں ان مسائل کو جمع کیا ہے جن پر امت کے تمام علماء اور فقہاء کا اجماع ہے، آپؒ لکھتے ہیں:

واتفقوا أن اخذ أموال الناس كلها ظلماً لا يحل.⁶⁹

”اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لوگوں کے کسی بھی قسم کے مال کو ناحق لے لینا حلال نہیں۔“

علامہ ابن رشد اندلسیؒ لکھتے ہیں:

أنه لا يحل مال أحد إلا بطيب نفس منه كما قال عليه الصلاة والسلام وانعقد عليه الإجماع.⁷⁰

⁶⁷ المستفي الهندي، علاء الدين علي بن حسام الدين، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، (بيروت: مؤسسة الرسالة)، ٥٠٣: ٣٠

⁶⁸ الشيباني، احمد بن حنبل، مسند احمد، (بيروت: عالم الكتب)، ٣٩٤: ١

⁶⁹ ابن حزم الأندلسي، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد، مراتب الإجماع في العبادات والمعاملات والاعتقادات، كتاب الغنص، (بيروت: دار الكتب العلمية)، ٥٩: ١

⁷⁰ ابن رشد القرطبي، أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، كتاب البيوع، (مكتبة المدينة الرقمية)، ١٦٤: ٢

”کسی شخص کا مال اس کی رضامندی کے بغیر دوسرے کے لیے حلال نہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔“

امام ابو یوسفؒ ”کتاب الخراج“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وكل من أقطعه الولاية المهديون أرضا من أرض السواد وأرض العرب والجبال من الأصناف التي ذكرنا أن للإمام أن يقطع منها فلا يحل لمن يأتي بعدهم من الخلفاء أن يرد ذلك ولا يخرج من يدي من هو في يده وارثا أو مشتريا فأما عن أخذ الوالي من يد واحد أرضا وأقطعها آخر فهذا بمنزلة الغاصب غصب واحدا وأعطى آخر فلا يحل للإمام ولا يسعه أن يقطع أحدا من الناس حق مسلم ولا معاهد ولا يخرج من يده من ذلك شيئا إلا بحق يجب له عليه فيأخذه بذلك الذي وجب له عليه فيقطعه من أحب من الناس فذلك جائز له والأرض عندي بمنزلة المال فللإمام أن يميز من بيت المال من كان له غناء في الإسلام ومن يقوى به على العدو ويعمل في ذلك بالذي يرى أنه خير للمسلمين وأصلح لأمرهم وكذلك الأرضون يقطع الإمام منها من أحب من الأصناف التي سميت ولا أرى أن يترك أرضا لا ملك لأحد فيها ولا عمارة حتى يقطعها الإمام فإن ذلك أعمر للبلاد وأكثر للخراج.⁷¹

”اور زمین کے جن قسموں کے بارے میں میں نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ امام (اسلامی حکومت) وہ زمینیں کسی کو بطور عطیہ دے سکتا ہے، ان میں سے جو زمینیں پچھلے ہدایت یافتہ سربراہان حکومت نے جن لوگوں کو دی ہیں، خواہ وہ سواد (عراق) کی زمینیں ہوں یا عرب کی، یا پہاڑوں کی، بعد میں آنے والے خلفاء کے لیے جائز نہیں کہ ان کو ان سے واپس لے لیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ جن کے ہاتھ میں اب وہ زمینیں ہیں، خواہ انہیں بطور وراثت ملی ہوں یا انہوں نے اصل مالکوں سے خرید کر حاصل کی ہوں، ان کے قبضے سے انہیں نکالا جائے، رہی یہ بات کہ امام ایک شخص سے زمین لے کر دوسرے کو دیدے تو یہ بالکل غصب کے حکم میں ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کامل غصب کر کے دوسرے کو دیدیا، امام کے لیے حلال نہیں ہے، اور اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان یا اسلامی ریاست کے کسی غیر مسلم شہری کا حق چھین کر کسی اور کو دیدے، اور نہ اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے زمین کو اس کے قبضے سے نکالا جائے، ہاں اگر حکومت کا کوئی حق کسی کے ذمہ واجب ہے، اور وہ اس واجب حق کی بناء پر کوئی زمین اس سے لے لے، اور پھر وہ زمین کسی اور شخص کو اپنی صوابدید سے دے دے تو یہ اس کے لیے جائز

⁷¹ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، فصل فی ذکر القطار، (القاهرة: المكتبة السلفية)، ۱: ۶۰

ہے، اور زمین میرے نزدیک عام اموال کی طرح ہے، امام کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کسی شخص سے اسلام کو فائدہ پہنچتا ہو، یا جس سے دشمن کے خلاف قوت حاصل ہوتی ہو، اس کو بیت المال سے کوئی عطیہ دے دے، اور ہر وہ اقدام کرے جس میں مسلمانوں کی بھلائی، اور ان کے معاملات کی مصلحت ہو، یہی حال زمین کا ہے، زمین کی جن قسموں کا میں نے شروع میں ذکر کیا ہے، امام وہ زمینیں مصلحت کے مطابق جسے چاہے دے سکتا ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ امام کو زمین یا عمارت ایسی نہیں چھوڑنی چاہیے جس پر کسی شخص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ ایسی زمین لوگوں میں تقسیم کر دینی چاہیے کیونکہ اس سے ملک آباد ہوگا، اور اس سے آمدنی زیادہ ہوگی۔

امام غزالیؒ نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے کہ آیا کوئی حکومت مصالح عامہ کے تحت لوگوں کی املاک زبردستی چھین سکتی ہے یا نہیں؟

فان قال قائل: اذا رای الامام جمعا من الاغنياء يسرفون في الاموال ويبذرون ويصرفونها الى وجوه من الترفه والتنعيم وضروب الفساد فلو رای المصلحة في معاقبتهم ياخذ شيئ من اموالهم وردہ الى بيت المال وصرفه الى وجوه المصالح فهل له ذلك؟ قلنا: لا وجه له فان ذلك عقوبة ينتقص الملك واخذ المال والشرع لم يشرع المصادرة في الاموال عقوبة على جنایة مع كثرة العقوبات والجنایات... والزجر حاصل بالطرق المشروعة.⁷²

”اگر کوئی یہ کہے کہ جب امام مالداروں کے ایک گروہ کو دیکھ رہا ہو کہ وہ اپنی املاک میں اسراف اور فضول خرچی سے کام لے رہے ہیں اور ان کو عیش و آرام کے مختلف طریقوں اور طرح طرح کے اسباب میں خرچ کر رہے ہیں، تو اگر وہ مصلحت اس میں سمجھے کہ اس عمل کی سزا کے طور پر ان سے اس کے کچھ اموال چھین لے اور انہیں بیت المال میں داخل کر کے ان کو مصالح عامہ میں خرچ کرے تو کیا اسے یہ اختیار ہے؟“

ہمارا جواب یہ ہے کہ اس کا کوئی جواز نہیں، اس لیے کہ یہ سزا ملکیت میں کمی اور اموال کو چھین کر دی جا رہی ہے، اور شریعت نے کسی کے مال پر زبردستی قبضہ کرنے کو کسی جرم کی سزا کے طور پر مقرر نہیں کیا، حالانکہ شرعی سزائوں کی بہت سی قسمیں ہیں... جہاں تک فساد سے لوگوں کو روکنے کا تعلق ہے تو یہ مقصد ان طریقوں کو اختیار کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے جو شرعاً جائز ہے۔ مذکورہ بالا قرآنی آیات، احادیث، اجماع اور فقہاء کے اقوال

⁷² الغزالی، أبو حامد، محمد بن محمد بن محمد الغزالی الطوسي، شفاء العليل، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ۲۴۳

بیع و شراء پر اکراه کے اثرات

سے یہی ثابت ہوا کہ کسی کی جائز ملکیت کو بلا معاوضہ اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی لینا نہ فرد کے لیے جائز ہے اور نہ ہی حکومت کے لیے۔

معاوضہ دے کر املاک کی جبری وصولی:

تحدید ملکیت کی دوسری صورت معاوضہ دے کر املاک کی جبری وصولی ہے، یہ درحقیقت جبری بیع ہے جس کا عدم جواز پیچھے "بیع میں تراضی کی قید کی حقیقت" کے عنوان میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ البتہ بعض ناگزیر حالات میں استثنائی صورتیں موجود ہیں جن میں کسی شدید ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جبری بیع کو اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، صرف ایسی شدید صورت میں شریعت نے جبری بیع کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ:

عن عقبہ بن عامر قال : قلت يا رسول الله إنا نمر بقوم فلا هم يضيفونا ولهم يؤذون ما لنا عليهم من الحق ولا نحن نأخذ منهم فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم إن أبوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا.⁷³

”حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ نہ ہماری مہمان نوازی کرتے ہیں اور نہ وہ حقوق ادا کرتے ہیں جو ہمارے ان پر واجب ہے، اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ لوگ زبردستی کیے بغیر بیچنے سے انکار کریں تو ان سے زبردستی لے لو۔“

امام ترمذی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وإنما معنى هذا الحديث أنهم كانوا يخرجون في الغزو فيمرون بقوم ولا يجدون من الطعام ما يشترون بالثمن وقال النبي صلى الله عليه وسلم إن أبوا أن يبيعوا إلا أن تأخذوا كرها فخذوا هكذا روي في بعض الحديث مفسرا.⁷⁴

”اس حدیث کے معنی یہ ہے کہ صحابہ کرام جہاد کے لیے جایا کرتے تھے، وہ کسی قوم کے پاس سے گزرتے تھے اور کوئی ایسا کھانا موجود نہیں ہوتا تھا جسے وہ قیمت دے کر خرید سکے، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ لوگ زبردستی کیے بغیر بیچنے سے انکار کریں تو ان سے زبردستی لے لو، بعض احادیث میں اس واقعہ کی یہی تفصیل مروی ہے۔“

⁷³ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، جامع الترمذی، کتاب السیر، ما قبل من أموال أهل الذمة، ۴: ۱۳۸

⁷⁴ ایضاً

شدید ضرورت کے وقت جبری بیع کے جواز کے سلسلہ میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایک واقعہ مسجد حرام کی توسیع کے بارے پیش آیا تھا جس کو امام ابو الولید ازرقی بیان کیا ہے:

عن ابن جریج قال: كان المسجد الحرام ليس عليه جدران محاطة انما كانت الدور محدقة به من كل جانب غير ان بين الدور ابوابا يدخل منها الناس من كل نواحيه فضاقي على الناس فاشترى عمر رضي الله عنه دورا فهدمها وهدم على من قرب من المسجد وابي بعضهم ان ياخذ من الثمن وتمنع من البيع فوضعت اثمانا في خزانة الكعبة حتى اخذوها بعد ثم احاط عليه جدارا قصيرا وقال لهم عمر: انما نزلتم على الكعبة فهو فناءها ولم تنزل الكعبة عليكم ثم كثر الناس في زمن عثمان بن عفان رضي الله عنه فوسع المسجد واشترى من قوم وابي آخرون ان يبيعوا فهدم عليهم فصيحوا به فدعاهم فقال: انما جراكم على حلمي عنكم، فقد فعل بكم عمر هذا فلم يصح به احد فاحتذيت على مثله فصيحتم بي ثم امرهم الى الحبس حتى كلمه فيهم عبد الله بن خالد بن اسيد فتركهم⁷⁵

”حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ پہلے مسجد حرام کے گرد کوئی چار دیواری نہیں تھی بلکہ اسے چاروں طرف سے گھروں نے گھیرا ہوا تھا البتہ گھروں کے درمیان دروازے تھے جن کے ذریعہ لوگ مسجد میں داخل ہوتے تھے پھر مسجد لوگوں کے لیے تنگ ہو گئی تو حضرت عمر نے گھروں کو خرید کر انہیں منہدم کر دیا اور جن لوگوں کے گھر مسجد کے بالکل قریب تھے انہیں گروا دیا لیکن بعض لوگوں نے قیمت لینے اور اور گھر بیچنے سے انکار کر دیا چنانچہ ان کے گھروں کی قیمتیں کعبے کی الماری میں رکھ دی گئیں یہاں تک کہ بعد میں انہوں نے لے لیں، اس کے بعد حضرت عمر نے مسجد کے گرد چھوٹی سی دیوار بنوادی، اور جو لوگ بیچنے سے انکار کر رہے تھے ان سے فرمایا کہ ”تم لوگ کعبہ پر آکر اتر گئے ہو جبکہ یہ جگہ کعبہ کی صحن تھی اور کعبہ تم پر آکر نہیں اترتا“ پھر حضرت عثمان کے دور میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، آپ نے مسجد حرام میں توسیع کی اور کچھ لوگوں سے زمین خریدی، جبکہ بعض لوگوں نے زمین بیچنے سے انکار کر دیا، تو آپ نے ان کے گھر منہدم کروا دیئے، اس پر ان لوگوں نے شدید احتجاج کیا تو حضرت عثمان نے ان لوگوں کو بلایا اور فرمایا: میری

⁷⁵ الأزرقي، أبو الوليد محمد بن عبد الله بن أحمد، أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار، باب محيط الحرم وتفاصيله، (المكة المكرمة: مكتبة الشارقة

نتیجہ و شرع پر اگر احکام کے اثرات

حلم نے تم لوگوں کو مجھ پر جبری کر دیا ہے، حضرت عمر نے بھی تمہارے ساتھ یہی کیا تھا اور اس پر کسی نے احتجاج نہیں کیا، اور میں نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تو تم احتجاج کرتے ہو، اس کے بعد ان سب لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا مگر حضرت عبداللہ بن خالد بن اسید کے گفتگو کے نتیجہ میں انہیں چھوڑ دیا۔“

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کی جائیداد کی جبری خریداری جائز نہیں ہے لیکن شدید اور ناگزیر ضرورت کے وقت اس کی گنجائش ہے۔ اسی اصول کو فقہاء کرام نے اپنی کتب میں مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

تؤخذ أرض ودار وحنوت بجانب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها.⁷⁶

”جو مسجد لوگوں کے لیے تنگ ہو گئی ہو اور اس کے قریب کوئی گھریا دکان یا زمین ہو تو اسے قیمت کے ذریعہ زبردستی خریداجا سکتا ہے۔“

علامہ مواق مالکیؒ لکھتے ہیں:

ويكره الناس السلطان على بيعها اذا احتاج الناس اليها لجامعهم الذي فيه

الخطبة وكذلك الطريق اليها لا الى المسجد الذي لا خطبة فيها والطرق التي في القبائل لا قوام.⁷⁷

”اگر لوگوں کو اپنی ایسی جامع مسجد کے لیے گھروں کی جگہ کی ضرورت ہو جس میں خطبہ ہوتا ہو یا اس جامع مسجد تک جانے کے لیے راستے کی ضرورت ہو تو سلطان مالکوں کو اس کی بیع پر مجبور کر سکتا ہے، لیکن جن مسجدوں میں خطبہ نہیں ہوتا یا قبائل کے لیے بنے ہوئے راستوں میں توسیع کے لیے لوگوں کو بیع پر مجبور کرنا جائز نہیں۔“

آنحضرت ﷺ کی احادیث، صحابہ کرام کے عمل اور فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی شخص کو اپنی ملکیت فروخت کرنے پر عام حالات میں مجبور کرنا بالکل جائز نہیں ہے، لیکن کسی شدید ضرورت کی بناء پر حکومت اسلامی کسی شخص کو بیع پر مجبور کر سکتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ضرورت کیا ہے، تو اس کو سمجھنے کے لیے فقہاء نے پانچ درجات بیان کیے ہیں:

⁷⁶ الحسکفی، علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی، الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی الوقف إذا خرب ولم یکن عمارتہ، ۴: ۳۷۹

⁷⁷ محمد بن یوسف بن آبی القاسم العبدري أبو عبد الله، التاج والإكليل لمختصر خليل، کتاب الوقف والهبة واللقطة، (بیروت: دار الفکر)، ۶: ۴۲

1- ضرورت:

فبالضرورة: بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك أو قارب كالمضطر للأكل واللبس بحيث لو بقي جائعاً أو عرياناً مات أو تلف منه عضو وهذا يبيح تناول المحرم.⁷⁸

”کسی کا ایسی حد پر پہنچ جانا کہ اگر وہ حرام کا ارتکاب نہ کرے تو یا تو مالکل ہلاک ہو جائے یا ہلاکت کے قریب ہو جائے، مثلاً وہ شخص جو کھانے یا پینے کے لیے اتنا مجبور ہو جائے کہ اگر وہ بھوکا یا نگار ہے تو مر جائے یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے تو ایسے موقع پر حرام کا ارتکاب مباح ہو جاتا ہے۔“

2- حاجت:

ان يكون الانسان في حالة من الجهد والمشقة التي لا تؤدي به الى الهلاك اذا لم يتناول المحرم شرعاً.⁷⁹

”انسان ایسی حالت میں ہو کہ اگر وہ حرام شرعی کا ارتکاب نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا البتہ شدید مشقت ہوگی۔“

اس کا حکم فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ:

وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر في الصوم.⁸⁰

”اس حالت میں حرام کا ارتکاب تو جائز نہیں البتہ روزہ توڑنا جائز ہے۔“

3- منفعت:

اس کی تعریف مفتی محمد تقی نے یہ کی ہے کہ: ”یہ ایسی حالت کا نام ہے جس میں ناجائز کام کا ارتکاب نہ کرنے سے نہ تو ہلاکت کا اندیشہ ہے، نہ کوئی شدید مشقت پیش آتی ہے، البتہ وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو ناجائز کام سے بظاہر حاصل ہوتا“⁸¹

⁷⁸ الحموي، السيد احمد بن محمد الحنفی، غز عیون البصائر شرح کتاب الاشباہ والنظائر، (بیروت: دار الکتب العلمیة)، ۱: ۲۷۷

⁷⁹ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، وصی مجلۃ معروفۃ تصدر عن مجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمۃ المؤتمر الاسلامی، الاخذ بالرخص الشرعیۃ وحکمہ، ۲: ۱۵۷۰۲

⁸⁰ ایضاً

⁸¹ عثمانی، محمد تقی، عدالتی فیصلے، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۰۵ء)

اس كى مثال يہ ہے كہ ايك شخص كے پاس بھوك مٹانے كے ليے جو كى روٹى موجود ہے، ليكن اس كو گندم كى روٹى اور بكرى كے گوشت كھانے كا شوق ہے، جو كى روٹى پسند نہيں، اس سے كسى حڪم شرعى ميں تبديلى نہيں آسكتى۔
علامہ سيوطى لكھتے ہيں:

والمنفعة كالذي يشتهي خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم.⁸²

4- زينت:

يہ ايسى حالت كا نام ہے كہ ناجائز كام نہ كرنے سے نہ تو ہلاكت ہوتى ہے اور نہ ہى كوئى مشقت پيش آتى ہے، اور ناجائز كام كرنے سے كوئى خاص فائدہ بھى حاصل نہيں ہوتا، البتہ ظاہرى سجاوٹ كا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اس كى مثال يہ ہے كہ: ”كسى شخص كے پاس كپڑے تو موجود ہيں ليكن وہ چاہتا ہے كہ فيشن كے مطابق كپڑے حاصل كرے، اس درجہ سے بھى حڪم شرعى تبديل نہيں ہوتا“⁸³
علامہ سيوطى لكھتے ہيں:

والزينة كاللمشتتهي الحلوى والسكر والثوب المنسوج من حرير وكتان.⁸⁴

5- فضول:

يہ ايسى حالت كا نام ہے كہ جس ميں ناجائز كام كے ارتكاب سے نہ تو ہلاكت دور كرنا مقصود ہوتا ہے، نہ مشقت كو اور نہ اس سے كوئى فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس درجہ ميں بطريق اولى كوئى حڪم شرعى تبديل نہيں ہوگا۔
ان پانچ درجات ميں صرف "ضرورت" ايك ايسا درجہ ہے جس كى بنياد پر بقدر ضرورت حرام كے استعمال كى اجازت ہوتى ہے، اور دوسرا درجہ "حاجت" ميں اگرچہ حرام چيز كے استعمال كا جواز نہيں ہوتا ليكن اگر وہ حاجت عمومى شكل اختيار كر جائے يعنى حاجت اجتماعى ہو، انفرادى نہ ہو، تو وہ حاجت اجتماعى بھى بہت سارے مسائل ميں "ضرورت" كے درجہ ميں آجاتى ہے اور اس كى وجہ سے احكام ميں تغير ہو سكتا ہے، چنانچہ فقہاء كرام نے ايك اصول بيان فرمايا ہے:

⁸² السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة الضرر يزال، (بيروت: دار الكتب العلمية، بيروت)، ۱: ۸۵

⁸³ عثمانى، محمد تقى، عدالتى فيصلے

⁸⁴ السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة الضرر يزال، ۱: ۸۵

الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة الخاصة في حق آحاد الناس .⁸⁵

”عمومی حاجت کو اس انفرادی ضرورت کے قائم مقام کیا جاسکتا ہے جو افراد کو پیش آتی ہے۔“
لہذا ان پانچ درجات میں سے صرف ”ضرورت“ اور ”عمومی حاجت“ کے وقت جبری بیع کے جواز کی گنجائش ہے، بقیہ تین درجات ”منفعت، زینت اور فضول“ کے لیے جبری بیع جائز نہیں۔

جبری بیع کے جواز کی شرائط:

”ضرورت اور حاجت اجتماعی“ کے لیے جبری بیع کے جواز کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھنا لازم ہے:

1- ضرورت یا حاجت اجتماعی کو دور کرنے کا اس جبری بیع کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو، اور جبری بیع کا فیصلہ تمام ممکنہ متبادل طریقوں کے بعد کیا گیا، لہذا مفاد عامہ کے مجمل بنیاد پر جبری بیع جائز نہیں جب تک واقعی ضرورت اور حاجت اجتماعی کا تعلق نہ ہو۔

2- جبری بیع میں جو چیز زبردستی لی جا رہی ہے اس کا معاوضہ بازاری قیمت کے مطابق ادا کرنا لازم ہے۔

3- بازاری قیمت کے مطابق مطلوبہ چیز کا معاوضہ اس چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے یا قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ادا کرنا لازم ہے البتہ اتنی تاخیر جس کو عموماً نظر انداز کیا جاتا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

ان شرائط کی موجودگی میں حاکم کے لیے کسی کی ملکیت جبری طور پر لینے کی گنجائش ہے۔

نتائج:

- 1- شرعاً وہی بیع معتبر اور قابل نفاذ ہے جو فریقین کی باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو، کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی بیع پر مجبور کرنا جائز نہیں۔
- 2- اکراہ کی صورت میں اگر بائع کو ثمن لینے پر مجبور کیا جائے تو اس سے عقد لازم نہیں ہوتا بلکہ بائع کا اس ثمن کو مشتری پر لوٹانا ضروری ہے، کیونکہ اکراہ کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہے۔
- 3- اکراہ زائل ہو جانے کے بعد مکروہ کو حالت اکراہ میں کی گئی بیع کو جاری رکھنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اگر مشتری نے اس میں تصرفات کیے ہوں تو بائع مکروہ اس کے تصرفات کو جاری رکھ کر سکتا ہے۔

⁸⁵ الزركشي، محمد بن بھادر بن عبد اللہ، المنثور فی القواعد، حرف الھاء المھملۃ، (کویت: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية)، ۲: ۲۴

4- جبری بیع میں اگر عین میں کوئی نقصان آجائے، تو اس کا حکم غصب کی طرح ہے، عین کو مالک پر لوٹایا جائے گا اور نقصان کا تاوان مالک کو دیا جائے گا، اگر نقصان اس کی قیمت گرنے کی وجہ سے ہو تو اس کا کوئی ضمان واجب نہیں۔

6- ضرورت عامہ کے وقت ذخیرہ اندوزوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے اور سلطان وقت ان کو اپنا سامان بازار میں لانے اور ان کو بیچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

7- عوام کی منفعت اور شارع عام کو وسیع کرنے وغیرہ کے لئے حاکم وقت شرعاً مالک سے جبراً اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کے جائیداد کو خرید کر منفعت عام میں شامل کر سکتا ہے۔

8- صرف "ضرورت" اور "عمومی حاجت" کے وقت جبری بیع کے جواز کی گنجائش ہے اور کسی صورت میں نہیں۔

9- کسی کی جائز ملکیت کو بلا معاوضہ اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی لینا نہ فرد کے لیے جائز ہے اور نہ ہی حکومت کے لیے۔

10- اگر اسلامی حکومت مصالح عامہ کے پیش نظر حکم جاری کرے کہ آئندہ فلاں چیز مقررہ حد سے زیادہ اپنی ملکیت میں نہ رکھے تو ایسا حکم شریعت کے خلاف نہیں بلکہ واجب التعمیل ہے۔

خلاصہ:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے عبادات ہوں یا معاملات، عقائد ہوں یا اخلاقیات، غرضیکہ زندگی کے ہر موڑ پر اسلام نے اپنے پیروکاروں کی سیر حاصل رہنمائی فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کے لیے اپنے دنیوی و اخروی تمام معاملات میں شرعی احکام اور دینی تعلیمات کی پابندی از بس ضروری ہے۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عبادات میں تو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو اور معاملات اور معاشرتی مسائل میں اپنی من مانی کرے اور اپنے آپ کو شرعی پابندیوں سے آزاد تصور کرے۔ ہمارے دین کی وسعت و جامعیت ہے کہ اس میں ہر طرح کے تبدیلی امور اور کاروباری معاملات و مسائل کا مکمل بیان موجود ہے اور ہر مسلمان بہ آسانی انہیں سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ قرآن و سنت سے مانوذاصول و ضوابط کے تحت ہر دور میں فقہائے عظام نے بڑی جانفشانی اور انتھک محنت و کوشش کر کے امت کو درپیش مسائل کا حل بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا۔ اس سلسلے میں فقہائے کرام نے مسائل کو آسانی کی خاطر مختلف ابواب میں تقسیم کئے ہیں، ان ابواب میں سے ایک باب "اکراہ" بھی ہے، اکراہ کے مسائل کا تعلق تقریباً ہر فقہی باب عقائد، معاملات اور عبادات وغیرہ سے ہے، جس کے اصول و جزئیات

کتبِ فقہ میں بکھرے ہوئے ہیں، ان اصول و جزئیات کو یکجا کرنے اور موجودہ دور میں ان سے متعلق پیش آنے والے مسائل کو ان اصول و جزئیات پر منطبق کرنے کی انتہائی ضرورت ہے، اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا خلاصہ پیش کر دیا ہے تاکہ امت مسلمہ کے لئے رہنمائی کا سبب بنے۔